مولانا مشتاق احمد☆

مثالی حکمران کے اوصاف اسوۂ فاروقی کی روشنی میں

آزادیٔ فکر، آزادیٔ اظہار، قانون کی بالادستی، خود احتسابی، عدل وانصاف، قومی خزانہ کی حفاظت، خوشامدیوں سے دوری، ہدیہ قبول کرنے سے انکار، سادگی، خوف خدا، اچھے رفقا کی عہدوں پر تقرری، اصول مساوات، عوام کی تنقید کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا ایک اچھے مسلمان حکمران کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ اسلامی تاریخ کے نامور حکمران خلیفہ راشد حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ ان تمام مذکورہ اوصاف سے متصف تھے۔ ذیل میں ان کے زمانہ خلافت کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ واقعات سید عمر تلسانی کی کتاب ''عمر بن الخطاب'' کے اردو ترجمہ اور علامہ شبلی نعمانی کی ''الفاروق'' سے منتخب کیے گئے ہیں۔

خود احتسابی

آپ کے دل میں اگر کبھی کوئی غیر پسندیدہ خیال آتا تو اسے سختی سے جھٹک دیتے، اپنے آپ کو ڈانٹ پلاتے اور اپنا محاسبہ خود کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سورہ عبس کی آیت 'فاکھۃ وابا' پڑھی تو دل نے کہا یہ 'ابا' کیا ہے؟ فوراً سنبھلے۔ دل سے کہا یہ تکلیف کیوں؟ تجھے اگر یہ معلوم نہ ہو کہ 'ابا' کیا ہے تو اس سے تیرا کون سا عمل ناقص رہ جائے گا۔ یعنی قیامت کو جن باتوں کے بارے میں پوچھ ہوگی، وہ معلوم ہیں تو اپنا عمل درست کرلو اور اس بازپرس کی فکر کرو۔

قانون کی بالادستی

آپ نے فرمایا کہ جس کسی پر کوئی امیر یا گورنر کوئی زیادتی کرے، وہ مجھے اس کی اطلاع دے، میں اس سے بدلہ دلواؤں گا، چنانچہ جب امرا کسی شخص پر زیادتی کرتے تو ضرور ان سے بدلہ دلوایا جاتا تھا۔ آپ نے بطور حاکم اپنی ذمہ داری وررعایا کے بنیادی حقوق کا اعلان فرماتے ہوئے کہا: ''اگر میرے کسی عامل نے کسی شخص پر ظلم کیا اور مجھے اس کی اطلاع مل گئی اور اس کے باوجود میں نے مظلوم کی دادرسی نہ کی تو سمجھو میں اس ظلم میں نہ صرف شریک ہوں بلکہ حقیقت میں ظلم کا مرتکب ہوں۔''

اس احساس فرض اور پاکیزہ تصور کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ لوگوں کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ظلم وزیادتی پر خاموشی اختیار

☆ مدرس جامعہ اسلامیہ، جی ٹی روڈ، کامونکی۔

کرنے کی بجائے وہ اس پر احتجاج کیا کریں تا کہ ظلم کا خاتمہ کیا جا سکے۔ یہ حاکم وقت کے فہم سلیم اور احساس ذمہ داری کی قابل رشک مثال ہے۔

قومی خزانے کی حفاظت

قومی خزانہ ایک امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔ حاکم وقت اور ذمہ داران اس کے امین ہوتے ہیں اور اس کے بارے میں ان سے باز پرس بھی سخت ہوگی۔ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے: ''بیت المال کے ساتھ میرا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا یتیم کے مال کے ساتھ اس کے سرپرست کا ہوتا ہے۔ اگر میں محتاج ہوا تو حسب ضرورت بیت المال سے لوں گا، حالات درست ہو گئے تو واپس کر دوں گا اور اگر مال دار ہو گیا تو بیت المال سے کچھ نہ لوں گا۔''

اس اہم اور نازک معاملہ کی مزید وضاحت یوں فرمائی: ''اس بیت المال سے میں اسی قدر وصول کروں گا جس قدر میں اپنے کمائے ہوئے مال سے خرچ کیا کرتا تھا۔'' حضرت عمر مسلمانوں کے بیت المال کے بارے میں اللہ سے بہت ڈرتے تھے۔ ایک مرتبہ حج کے لیے گئے اور مدینہ سے مکہ اور وہاں سے واپسی کا سفر حضر تک ۸۰ دراہم میں مکمل کر لیا۔ اس کے باوجود اپنا محاسبہ کرنے لگے اور کف افسوس ملتے ہوئے کہا: ''ہم کتنے بے خوف ہو گئے ہیں کہ بیت المال میں اسراف کرنے لگے ہیں۔''

خوشامد سے نفرت

حضرت عمر لوگوں کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ ان کی ذات کی تعریف میں رطب اللسان ہو جائیں۔ فرماتے تھے: ممکن ہے میں تمہیں ایسے کاموں سے منع کروں جس میں تمہارا فائدہ اور مصلحت ہو اور تمہیں ایسے کاموں کا حکم دے دوں جس سے تمہیں نقصان ہونے کا احتمال ہو، اس لیے تم میری اصلاح کرتے رہا کرو۔

قحط سالی میں حضرت عمر کا طرز عمل

آپ جب رعایا کو کسی بات کا حکم دیتے تو خود اس پر پہلے کاربند ہو جاتے تا کہ عامۃ الناس کے لیے اچھا نمونہ پیش کریں۔ آپ نے لوگوں سے سادگی اور قناعت اختیار کرنے کا مطالبہ کیا تو خود اس کی بہترین عملی مثال بن گئے۔ قحط سالی میں اپنے لیے ہر وہ چیز ممنوع سمجھ لی تھی جس تک عام لوگوں کی رسائی ممکن نہ تھی۔ قحط کے زمانے میں رعایا کی بھوک اور تنگی کا اس قدر احساس تھا کہ یوں معلوم ہونے لگا کہ اس فکر سے ہلکان ہو جائیں گے۔ یہ زمانہ پانچ چھ سال کے عرصہ پر محیط تھا۔ اس پورے دور میں آپ نے زندگی کی ہر پر لطف چیز کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

ہدیہ قبول کرنے سے انکار

ہدیے لینا اور دینا اسلامی نقطہ نظر سے جائز بلکہ مستحسن ہے، مگر حکمرانوں کو عموماً ہدیے غلط انداز میں دیے جاتے ہیں۔ صاف ستھرے نظام حکومت میں، جہاں قانون کی حکمرانی ہو، حکمرانوں کا ہدیوں سے کیا واسطہ؟ عام حکمران اگر بہت قابل رشک مثال بھی پیش کریں تو ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات کے لیے تو ہدیہ قبول نہیں کرتے مگر اپنے اہل وعیال کے لیے

بخوشی وصول کر لیتے ہیں۔ مگر سیدنا عمر کا معاملہ یہ تھا کہ نہ تو اپنے لیے کوئی تحفہ قبول کرتے تھے اور نہ اپنے اہل وعیال کے لیے اور اگر کوئی عزیز ایسا ہدیہ قبول کر لیتا تھا تو اس پر مناسب انداز میں سرزنش فرماتے تھے۔

سادگی اور زہد

آپ اتنے سادہ مزاج اور دنیاداری سے دور تھے کہ اپنی خلافت کے دور میں آپ حج کے لیے نکلے اور کوئی خیمہ نہیں لگایا۔ دھوپ سے بچنے کے لیے کسی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ جاتے تھے۔ چمڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ساتھ تھا۔ کبھی اس سے سایہ کر لیتے تھے۔ تپتے ہوئے ریگستان میں وہ سایہ کیا حیثیت رکھتا تھا۔ آپ اس بات سے خائف تھے کہ اپنے لیے کوئی ایسا سایہ فراہم کریں جس کا مہیا کرنا رعایا کے ہر فرد کے لیے ممکن نہ ہو۔

اچھے رفقا کی تلاش

حضرت عمر نوجوانوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق ذمہ داریاں سونپ دیا کرتے تھے۔ اس سے ان میں خود اعتمادی بھی پیدا ہوتی تھی اور ان کی صلاحیتیں بھی مزید پروان چڑھتی تھیں۔ مثلاً آپ حضرت عبداللہ بن عباس کو اپنی مجلس میں بٹھایا کرتے اور مشکل مسائل میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور کئی مرتبہ ان کی رائے کو قبول کر لیا کرتے تھے۔ آپ ہر میدان کے لیے مردانِ کار کی تلاش میں رہتے تھے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت فوراً مناسب آدمی کو ڈھونڈ لیتے تھے۔

اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینا

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں کہیں سے مال غنیمت آیا جس میں بہت سے قیمتی پارچہ جات تھے۔ آپ نے سب صحابہ کرام کو لباس دیا۔ ایک قیمتی جوڑا بچ گیا تو آپ نے صحابہؓ سے کہا: ''کسی ایسے نوجوان کی نشان دہی کرو جس نے ہجرت کی ہو اور اس کے باپ نے بھی ہجرت کی ہوتا کہ میں یہ جوڑا اسے دے دوں۔'' لوگوں نے بلا توقف کہا: عبداللہ بن عمرؓ۔ آپ نے فرمایا: نہیں، وہ تو اس کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ نے سلیط بن سلیط کو حلہ عطا کر دیا۔

مقدمات کے فیصلے اور انصاف کے تقاضے

ارضی وسماوی ہر قانون میں ایک بنیادی اصول مسلم ہے کہ کوئی بھی فیصلہ اس وقت تک صادر نہ کیا جائے جب تک طرفین کی بات پوری طرح نہ سن لی جائے۔ شریعت اسلامیہ میں جب معاملہ مشتبہ ہو جائے تو حد جاری نہیں کی جا سکتی۔ ایک حدیث کی تاویل میں فقہا اور مسلم ماہرین قانون نے یہ موقف اختیار کیا ہے۔ بدقسمتی سے مسلمان ممالک کے حکمرانوں نے دور انحطاط میں ان اصولوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ کیا بلندی تھی اور اب کیا پستی ہے! شکوک وشبہات کو بنیاد بنا کر اپنے مخالفین کو فوری اور ناقابل برداشت سزائیں سنا دینے کی ایسی روایت چلی ہے کہ خدا کی پناہ! استغاثہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ الزام کا ثبوت پیش کرے مگر ہمارے ممالک میں اس اصول کو الٹ دیا گیا کہ ملزم اپنی بے گناہی ثابت کرے۔ اگر ملزم اس سکھا شاہی نظام میں اپنی بے گناہی ثابت کر بھی دے تو ضروری نہیں کہ عقوبت سے بچ نکلے کیونکہ انصاف کا گلا گھونٹنے والوں سے انصاف کی توقع عبث ہے۔

حضرت عمر کا دور حکومت انصاف کے مذکورہ تقاضوں پر عمل درآمد کا آئینہ دار تھا۔ اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک فعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا: یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔

یہی بھید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھی تھی۔ سفر و حضر میں، جلوت و خلوت میں، مکان اور بازار میں کوئی شخص ان کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں۔

آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصل سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس پر بہت توجہ کی۔ آپ نے مختلف موقعوں پر تحریر و تقریر سے جتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور 'مذ کم تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا' کا تاریخی جملہ ارشاد فرمایا، یعنی تم لوگوں نے آدمیوں کو غلام کب سے بنا لیا ہے؟ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔

ایک دفعہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر کہا: صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر اڑا دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا: کیا میری شان میں تو یہ لفظ کہتا ہے! اس نے کہا: ہاں، تمہاری شان میں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: الحمدللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔

تقسیم ہند کے بعد بھارتی کابینہ سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر گاندھی نے (غیر مسلم ہونے کے باوجود) حضرت ابوبکر و عمر کو خراج تحسین پیش کیا تھا اور وزرا سے کہا تھا کہ اگر تم ابوبکر و عمر کی پیروی کرو گے تو ایک کامیاب حکمران ثابت ہو گے۔

آج وطن عزیز میں ہر طرف لاقانونیت کا راج ہے، اقربا پروری، ناقدین سے بے مروتی اور مظالم، روز افزوں مہنگائی، قتل و غارت، چوری و ڈکیتی، رشوت و استحصال کا دور دورہ ہے۔ سیاسی، معاشی اور معاشرتی سکون عنقا ہے۔ کیا ہمارے سیاستدان بالخصوص حکمران ایک آئیڈیل مسلم حکمران کی خصوصیات سے بہرہ ور ہیں؟ ان کو اپنے گریبانوں میں جھانکنے اور اپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے تاکہ تاریخ میں ان کو اچھے الفاظ سے یاد کیا جائے اور عوام الناس سکھ کا سانس لے سکیں۔